دیوانِ حافظ کی تاریخی فالیں

مرداں ز خاک ہم خبر آسمان دہند
فالِ کلامِ حافظِ شیراز کن لحاظ

جس میں

لسان الغیب خواجہ حافظ شیرازیؒ کے دیوان کے وہ اشعار درج ہیں
جو ہندوستان و ایران اور افغانستان کے فرمانرواؤں اور عام لوگوں نے
بطور تفاول و استخارہ استعمال کئے ہیں اور صحیح نکلے ہیں اور جو مختلف
تاریخوں اور تذکروں سے دستیاب ہوتے ہیں اسی ضمن میں خواجہ حافظؒ کی مختصر
سوانحعمری اور فالنامہ خواجہ حافظؒ بھی درج ہے

ربیع الثانی ۱۳۴۱ — مرتبہ — دسمبر ۱۹۲۲

ظفر برادرس تاجران کتب "ظفر منزل" لاہور
مطبوعہ خادم التعلیم سٹیم پریس لاہور میں باہتمام میاں عبدالحمید پرنٹر چھپی

بار اول — تعداد جلد ایک ہزار

خواجہ شمس الدّین محمدؒ حافظ شیرازی

وطن شیراز اور آبائی پیشہ تجارت تھا۔ ان کے باپ مولانا کمال الدین بڑے عالم فاضل اور اپنی تجارت کی وجہ سے بہت مالدار تھے۔

خواجہ کی پیدائش آٹھویں صدی ہجری کی ابتدا میں ہوئی۔ قرآن شریف کے حافظ بہت بڑے شاعر بہت بڑے صوفی بلکہ ولی اللہ تھے۔ عالم فقیہہ صالح اور زاہد تھے شاخ نبات ایک بازاری عورت کے افسانہ عشق کو آپ سے منسوب کیا جاتا ہے۔ مگر بعض مورخوں نے اس کو تذکرہ نویسوں کی غلط فہمی پر محمول کیا ہے۔

آپ کا دیوان صلحائے کرام اور اولیائے عظام سے لیکر بادشاہ اور عوام سب کی غذائے روح سمجھا جاتا ہے۔ خواجہ حافظ کی عمر ۷۵ ۔ ۷۶ سال کی تھی۔ اس عرصہ میں سات انقلابات یعنی سات حکومتوں کے دور دیکھے۔ ان میں خانہ جنگیاں بھی تھیں خونریز لڑائیاں بھی جاہ وجلال بھی ظلم وجور بھی اور عدل وانصاف بھی۔ اس لئے ان کے اشعار میں ہر قسم کے مضامین مل جاتے ہیں۔

تیمور نے جب شیراز پر قبضہ کیا تو خواجہ کو بلایا۔ بڑی عزت کی اور پوچھا۔ یہ شعر آپ کا ہے؟

اگر آں ترک شیرازی بدست آرد دلِ مارا ۔ بخالِ ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را

خواجہ نے کہا۔ ہاں تیمور نے کہا۔ میں نے بے انتہا فوجوں اور بڑی مشکلوں سے سمرقند و بخارا کو فتح کیا اور آپ معشوق کے ایک خال پر اس کو قربان کر رہے ہیں خواجہ نے کہا۔ انہی غلط بخشیوں کا نتیجہ ہے کہ اس حال کو پہنچا ہوں۔

خواجہ کے اشعار کو ایران وہند اور افغانستان میں ہر جگہ بطور تفاول استعمال کیا جاتا ہے۔ ترکی زبان میں ۹۰۸ھ میں ایک کتاب میں ۵۰۰ اشعار جمع کئے گئے جن سے تفاول کیا گیا تھا اسی طرح فارسی میں بھی ان کے دیوان کی فالوں کے اشعار جمع کئے گئے۔ آپ کو عام طور پر لسان الغیب اور ترجمان الاسرار کہا جاتا ہے۔ آپ کا سالِ وفات ۷۹۱ھ بیان کیا جاتا ہے۔

دیوانِ حافظ

کی

تاریخی فالیں

ادبی دلچسپیاں دیوانِ حافظ میں اس قدر ہیں۔ کہ تاریخ ایسے واقعات پیش کر رہی ہے۔ کہ نہ صرف عام لوگوں بلکہ بادشاہوں تک نے دیوانِ حافظ سے فالیں دیکھیں۔ عربی۔ فارسی اور ترکی زبانیں ایسی کتابیں بھی لکھی گئیں جن میں وہ اشعار درج تھے۔ جو بطور فال یا شگون دیوان حافظ سے لوگوں کو اپنے حسب مطلب نظر آئے تھے۔

خواجہ صاحبؒ نے تقریباً ۷۰ سال کی عمر میں ۷۹۱ھ میں شیراز میں وفات پائی۔ ان کے بعض اشعار اور ان کی رندانہ طبیعت کی وجہ سے اکثر لوگ ان کو ملحد سمجھتے تھے۔ اور فقہاء نے تو جنازہ کی نماز پڑھنے سے بھی انکار کر دیا۔ بادشاہ

وقت منصور بن مظفر کو بھی اس جھگڑے کا علم ہؤا۔ کہا۔ اچھا انکی غزلوں
کے مسودے منگا کر دیکھے جائیں۔ چنانچہ پہلے اسی شعر پر نظر پڑی ؎

قدم دریغ مدار از جنازۂ حافظ
کہ گرچہ غرقِ گناہ است میرود بہ بہشت

معترض دم بخود ہو گئے۔ جنازہ کی نماز ادا کی گئی۔ جس میں خود بادشاہ
بھی شامل تھا۔ یہ پہلی فال تھی۔ جو حافظ کے کلام سے دیکھی گئی۔

اسی بناء پر خواجہ صاحب کی وفات کے پچاسی سال بعد جب مولانا
جامی نے نفحات الانس (۸۸۳ھ) میں تصنیف کی۔ تو ان کو لسان الغیب
اور ترجمان الاسرار کا خطاب دیا۔ اس لئے نہیں کہ وہ غیب کی باتیں بتاتے
ہیں۔ بلکہ اپنی ایک تشریح کے بموجب جو اسی لقب کے متعلق آپ نے
۸۹۲ھ میں اپنی کتاب بہارستان میں لکھی ہے۔ اس غرض سے۔ کہ حافظ
کے اشعار بلا تکلف اس صفائی کے ساتھ ان کی زبان سے نکلتے ہیں کہ گویا
عالمِ غیب سے القاء ہو رہے ہیں۔

مولانا آزاد بلگرامی (میر غلام علی) تو ایک قدم آگے بڑھ گئے ہیں۔
وہ لکھتے ہیں ؎

مرداں ز خاک ہم خبر آسماں دہند
فالِ کلامِ حافظِ شیراز کن لحاظ

ہمایوں کو جب شومئ طالع اور اپنے حقیقی بھائیوں کی خود غرضی
اور نا عاقبت اندیشیوں کی وجہ سے ۹۴۷ھ میں ہندوستان سے جلا وطن
ہو کر شاہِ طہماسپ کے پاس ایران میں جانا پڑا۔ اور جب ۹۶۱ھ میں شاہِ ایران
کی مدد سے اس نے تختِ ہند لینے کا ارادہ کیا۔ تو دیوانِ حافظ میں فال دیکھی

یہ شعر نکلا ؎

عزیز مصر برغم برادران غیور
ز قعر چاہ برآمد بہ اوج ماہ رسید

قندھار میں پہلی لڑائی اپنے بھائی مرزا عسکری سے لڑا۔ اس کو گرفتار کیا۔ دوسری لڑائی کابل میں اپنے دوسرے بھائی کامران سے کی اس پر بھی فتح پائی۔ ہندوستان کی طرف بڑھنے سے پیشتر پھر دیوان حافظ سے فال دیکھی۔ جواب ملا ؎

دولت از مرغ ہمایوں طلب و سایۂ او
زانکہ با زاغ و زغن شہپر دولت نبود

(مرغ ہمایوں (ہما) کے سایہ میں دولت حاصل کرو چیل اور کوے کے پاس دولت کے پر نہیں ہوتے)۔

چنانچہ ایک دو معرکوں کے بعد ۹۶۲ھ میں ہمایوں دہلی آگیا لیکن ابھی سوری خاندان کے آخری بادشاہ عدلی کی شورش قائم تھی۔ صوبہ بہار سے لے کر جونپور تک اس کا قبضہ تھا۔ سلطان محمد خان صوبہ دار بنگالہ نے بادشاہ کی طرف سے اس کا مقابلہ کیا۔ مگر وہ کامیاب نہ ہو سکا۔ ہمایوں خود اٹھا۔ خواجہ حافظ سے اس کو کمال عقیدت تھی۔ دیوان حافظ منگوایا۔ فال دیکھی یہ شعر نکلا ؎

نظر بر قرعۂ توفیق و یمن دولت شاہ است
بدہ کام دل حافظ کہ فال بختیاران زد

(بادشاہ کی دولت کے عروج اور توفیق الٰہی کی فال نکلتی ہے۔ حافظ کے دل کا مقصد پورا کر۔ کیونکہ اس نے خوش قسمتی کی فال نکالی ہے)۔

ہیمو کے سنبھال کے بعد شہنشاہ اکبر نے سکندر سوری کے مٹانے کیلئے ۹۶۳ھ سال جلوس اول میں پنجاب کی طرف توجہ کی۔ فال کے لئے دیوان حافظ کھولا گیا تو یہ شعر نکلا[1] ؎

سکندر را نمے بخشند آبے
بزور و زر میسر نیست ایں کار

اکبر اپنی اولوالعزمی کے آگے سکندر کی ویسے بھی کچھ حقیقت نہ سمجھتا تھا۔ مگر اس فال نے اس کو اور بھی جرأت دلائی۔ اور وہ صفر ۹۶۳ھ کو لاہور کی طرف روانہ ہوا۔ سکندر کوہ شوالک کے پہاڑوں میں بھاگ گیا اکبر بھی وہیں گیا۔ اور باوجود بہت سی تکالیف اٹھانے کے آخر کامیاب ہوا۔ سکندر کو کچھ جاگیر دے کر بہار میں روانہ کر دیا۔ جہاں دو سال کے بعد خاندان سوری کا یہ آخری بادشاہ جہان فانی سے رخصت ہو گیا۔

منعم خاں خان خاناں ۹۷۳ھ میں اکبر کی طرف سے جونپور اور اس کے نواح کا حاکم تھا۔ خان خاناں کو خبر ملی۔ کہ یوسف محمد پسر سلیمان اوزبک آگرہ کے قید خانہ سے بھاگ کر گورکھپور میں آ کر فتنہ و فساد کے بعد قابض ہو گیا ہے۔ خان خاناں نے اس کی تنبیہہ کے لئے سردار جمع کئے۔ بادشاہ اس وقت سورت کی فتح میں مصروف تھا۔ خان خاناں نے لسان الغیب میں فال دیکھی۔ تو یہ شعر نکلا[2] ؎

اے بادشاہِ خوباں داد از غمِ تنہائی
دل بے تو بجاں آمد وقت است کہ باز آئی

۱؎ تاریخ ہند ذکاء اللہ اقبال نامہ اکبری ص ۲۷

۲؎ تاریخ ہند ذکاء اللہ اقبال نامہ اکبری ص ۲۱۴

اس غزل کو اپنے عریضہ میں ملفوف کر کے خانخاناں نے بادشاہ کے پاس بھیجا۔ اور خود یوسف محمد اور اس کے حمایتی افغانوں کی طرف متوجہ ہؤا۔ بادشاہی افواج کو بہت مشکلات پیش آئیں۔ آخر یوسف اور لودی افغان کے باہمی جھگڑوں سے دونوں کے مارے جانے سے یہ مشکلات آسان ہوئیں اور خانخاناں کامیاب ہؤا ۔

اکبر کے سال ۳۶ جلوس ۱۰۰۰ھ میں کشمیر میں شورش برپا ہوئی۔ مرزا یادگار نے خطبہ و سکہ اپنے نام کا قائم کیا۔ جس دن مُہر کھدوا رہا تھا کہ فولاد کا ایک ریزہ اُڑ کر اس کی آنکھ میں لگا جس سے لوگوں نے مرزا کے اقبال کو زوال سمجھا۔ اُدھر ابوالفضل نے بادشاہ کے حکم سے دیوان لسان الغیب کو کھولا۔ تو یہ شعر نکلے ؎

آں خوش خبر کجاست کزیں فتح مژدہ داد
تا جاں فشانمش چو زر و سیم در قدم
از بازگشت شاہ دریں طرفہ منزل است
آہنگ خصم اُو بہ سرا پردۂ عدم

بادشاہ نے برف باری کا بھی کچھ لحاظ نہ کیا۔ اور سرکشوں ہی کی سزا دہی کے لئے ہر طرف سے فوج روانہ کی۔ اور خود بھی روانہ کشمیر ہؤا۔ ابھی بادشاہ بھمبر ہی میں تھا۔ کہ یادگار گرفتار ہو گیا۔ اور اکیاون روز کی شورش کے بعد کشمیر میں امن قائم ہؤا۔ بھمبر ہی میں مرزا یادگار گُل قتل کیا گیا ۔

باپ اور دادا کی طرح جہانگیر بھی حافظ کا پورا معتقد تھا۔ وہ لکھتا ہے "در بسیارے از مطالب بہ دیوانِ خواجہ رجوع نمودہ ام۔ و بہ حسب ما

ؔ تاریخ ہند ذکاء اللہ حصہ اقبال نامہ اکبری ص ۲۴۲

اتفاق آنچہ برآمدہ نتیجہ مطابق ہماں بخشید۔ وکم است کہ تخلف نمودہ"۔
اکبر کی ناراضگی کی وجہ سے جہانگیر الہ آباد ہی میں رہتا تھا۔ اسی اثنا
میں جہانگیر نے ابو الفضل کو بھی بندھیل کھنڈ کے پہاڑوں میں قتل کرا دیا
جس سے اکبر کے غصہ کی آگ اور بھڑک اُٹھی۔ اور راجہ مان سنگھ و خان اعظم
وغیرہ اُمراء جو جہانگیر کے بیٹے خسرو کی ولی عہدی کے خواہاں تھے اکبر
کے کان اور بھی بھرنے لگے۔ آگرہ جانے کے لئے جہاں اکبر مقیم تھا۔ اس
نے دیوان حافظ میں فال دیکھی۔ مندرجہ ذیل غزل نکلی ؎

چرا نہ در پئے عزم دیارِ خود باشم — چرا نہ خاکِ کفِ پائے یارِ خود باشم
غم غریبی و غربت چو بر نمی تابم — بہ شہرِ خود روم و شہریارِ خود باشم
ز محرمانِ سراپردۂ وصال شوم — ز بندگانِ خداوندگارِ خود باشم
ہمیشہ پیشۂ من عاشقی و رندی بود — کنوں بکوشم و مشغولِ کارِ خود باشم
چو کارِ عمر نہ پیداست بارے آں اولیٰ — کہ روزِ واقعہ پیشِ نگارِ خود باشم

بود کہ لطفِ ازل رہنموں شود حافظؔ
وگرنہ تا بہ ابد شرمسارِ خود باشم

یہ فالِ نیک دیکھ کر جہانگیر کو اپنی جان کا خوف بھی بھول گیا۔ وہ دلیرانہ
وار کشتی میں سوار ہوا اور سیدھا آگرہ پہونچا۔ راجہ مان سنگھ وغیرہ نے
کوشش کی کہ اکبر سے اس کی ملاقات نہ ہونے پائے۔ اور نہ اکبر کو اس کے
آنے کی خبر ہی ہو۔ مگر ایسی اہم خبر کب چھپی رہ سکتی تھی؟ کسی نہ کسی ذریعہ
سے اکبر کو خبر ہو گئی۔ اپنے پاس بلایا سینے سے لگایا۔ رو دیا اور بیٹے کی
پیشانی پر بوسہ دیا۔ اور تاجِ شاہی اس کے سر پر رکھ کر بھرے دربار اسے اپنا
ولی عہد مقرر کیا۔ جہانگیر اس واقعہ اور خواجہ حافظ کی اس غزل کے متعلق

لکھتا ہے:- "ہم سعادت خدمت و رضا جوئی و حاضر بودن در واقعہ ناگزیر دست داد و ہم دولت موروثی روزی گشت۔ کہ بعینہٖ مضمون این غزل بود"۔

حکیم فتح اللہ خسرو کے طرفداروں میں تھا۔ جہانگیر کو خبر ہوئی اور پُوچھا۔ اس نے قسم کھائی اور کہا۔ میں ہرگز اس کا حمایتی نہیں ہُوں۔ لیکن تھوڑے عرصہ کے بعد اس کی سازش ظاہر ہو گئی۔ چند باغی اور موٹے موٹے آدمی تو مارے گئے۔ فتح اللہ کی بابت یہ حکم ہُوا۔ کہ اس کذاب کا مُنہ کالا کر کے گدھے پر اُلٹا سوار کرو۔ اور منزل بہ منزل دہلی تک لیجاؤ۔ (جہانگیر ان دنوں کابل سے لاہور آرہا تھا) جب وہاں بادشاہ بھی پہنچا تو حکیم فتح اللہ حاضر کیا گیا۔ زمین بوس ہوتا تھا۔ اور عذر خواہی کرتا تھا۔ اور کہتا تھا۔ لوگوں کے بہکانے سے اس گناہ کا مرتکب ہو گیا ہوں۔ اب جان بخشی ہو۔ جہانگیر کے پاس اس وقت دیوان حافظ رکھا ہُوا تھا۔ کہا اچھا میں خواجہ سے پوچھتا ہوں۔ وہ معاف کرتے ہیں یا نہیں۔ حکیم کی خوش قسمتی کہیئے۔ دیوان کھولتے ہی یہ شعر[1] نکلے ۔

آنکہ پامال جفا کرد چو خاکِ راہم
خاک مے بوسم و عذرِ قدمش میخواہم
من نہ آنم کہ بہ جور از تو برنجم حاشا
چاکر معتقد و بندۂ دولت خواہم

(جس نے راستہ کے خاک کی طرح ظلم سے مجھ کو پامال کر ڈالا۔ میں اس کے قدموں کی عذر خواہی کرتا ہوں اور خاک چومتا ہوں۔ میں وہ نہیں ہوں کہ کبھی تیرے ظلم سے رنجیدہ ہو جاؤں۔ وفادار خادم اور خیر خواہ غلام ہوں)

[1] "حیات حافظ"

آخر حکیم رہا کر دیا گیا۔

بنگال میں عثمان افغان کی شورش نے سر اُٹھا رکھا تھا۔ حاکم بنگال اسلام خاں نے جہانگیر سے اس کی گوشمالی کی اجازت چاہی۔ جہانگیر لکھتا ہے۔ میں نے مہم کا حکم تو دیدیا۔ مگر حکم دینے کے بعد خواجہ کے دیوان سے تفاول کیا۔ کہ عثمان کا اس مہم میں کیا حال ہوگا؟ تو یہ فال نکلی ہے

خوردہ ام تیر فلک بادہ بدہ تا سرمست
دست در بند کمر ترکش جوزا فگنم

(میں نے تیر فلک کھایا ہے۔ مجھے شراب پلادے تاکہ مست ہو کر میں جوزا کے ترکش کے بند پر ہاتھ ڈال دوں)

چنانچہ چند ہی دنوں کے بعد خبر آئی۔ کہ عثمان کی پیشانی پر ایک تیر لگا۔ جس سے وہ جانبر نہ ہو سکا۔

عالمگیر نہایت متشرع بادشاہ تھا۔ اور اس نے اپنے عہد حکومت میں دیوان حافظ کے پڑھنے کی عام ممانعت کر دی تھی۔ مگر اپنا یہ حال تھا۔ کہ ایک لحظہ بھی اس کو جدا نہ کرتا تھا۔ دکن میں سیواجی اور سنبھاجی کی شورشوں سے عالمگیر بہت متفکر رہتا تھا۔ دکن کے چند قلعے مرہٹوں نے لے لئے تھے۔ بادشاہ ۱۱۱۲ھ سوم شوال کو ان قلعوں کے واپس لینے اور شورش پسندوں کے استیصال کے ارادہ سے روانہ ہوا۔ دیوان حافظ سے فال نکالی۔ تو یہ شعر نکلا[1] ہے

دلے کہ غیب نمائیست جام جم دارد
ز خاتمے کہ ازو گم شود چہ غم دارد

[1] بادشاہ نامہ عالمگیر ہی مصنفہ مولوی ذکاء اللہ مرحوم صفحہ ۴۳۳

ہر چند شدت بارش اور سیلابوں کی طغیانی سے بہت کچھ خلل پڑا۔ لیکن عزم شہنشاہی میں کوئی فرق نہ آیا۔ غرہ محرم ۱۱۱۵ھ میں پرنالہ اور بون گڈھ کے مضبوط قلعے جن کا دَور سات سات کوس تک تھا۔ ممالک محروسہ میں داخل ہو گئے۔

پٹنہ کا پنڈت خوش گو اپنے تذکرہ میں لکھتا ہے۔ میرے دادا کو دیوان حافظ سے عشق تھا۔ روزانہ دیوان حافظ لے کر دریائے گنگا کے کنارے چلے جاتے اور مزے لے لے کر پڑھتے۔ ایک مرتبہ ایک سادھو پھٹے پرانے کپڑے پہنے پاس سے گذرا اور کہا۔ دوسرے مذہب کی کتابیں نہیں پڑھنی چاہئیں۔ میرے دادا نے کہا۔ اس کتاب کا مصنف بڑا گیانی اور مہا پرش تھا۔ سادھو نے کہا۔ گیانی نہیں خاک تھا۔ دادا کو غصہ آیا اور کہا۔ ایسی باتیں نہ کہو۔ ہم سے تم سے لاکھ درجہ اچھے تھے۔ ان کا یہ کمال کیا کم ہے۔ کہ جو بات چاہیں ان کی کتاب سے پوچھ سکتے ہیں۔ سادھو نے کہا۔ اچھا دیکھو۔ میری نسبت ان کا کیا خیال ہے۔ دیوان کھولا۔ تو یہ شعر نکلا ؎

بزیرِ دلقِ مرقع کمندہا دارند
درازدستیٔ ایں کوتہ آستیناں بیں

(پھٹی ہوئی گدڑی کے نیچے بہت سی کمند رکھتے ہیں۔ ان چھوٹی آستین والوں کی درازدستی تو دیکھو) سادھو نے یہ سُن کر خواجہ کو فحش گالیاں دینی شروع کیں۔ دادا کو تاب ضبط نہ رہی۔ نوکر کو حکم دیا۔ اس بدزبان کو پیٹو۔ یہ سادھو نہیں کوئی ٹھگ ہے۔ جو سادھوؤں کو بدنام کر رہا ہے۔

جب نادرشاہ ایرانی افغانوں کو شکست دیکر عراق و فارس پر قبضہ کر چکا۔ تو اس کی توجہ تبریز و بغداد کی طرف ہوئی۔ لیکن وہ متردد تھا۔ آخر خواجہ کی قبر پر گیا۔ اور وہاں جو دیوان رکھا رہتا ہے۔ اس میں فال دیکھی۔ تو حسب ذیل شعر نکلا ؎

عراق و فارس گرفتی بشعرِ خود حافظ
بیا کہ نوبتِ بغداد و وقتِ تبریز است

چنانچہ اسی کے مطابق اس نے حملہ کیا۔ اور ترکوں کے ہاتھ سے تبریز و بغداد کو لے لیا ٭

جہانگیر نے سنہ ۱۰۲۳ھ میں شاہزادہ خرم (شاہجہان) کو رانا امر سنگھ اودیپور کی گوشمالی کے لئے بھیجا۔ اور آپ اجمیر میں ٹھیرا۔ اتفاقاً کہیں کلغی کا بیش قیمت الماس گر گیا۔ جہانگیر اسے بد فال سمجھ کر سخت پریشان ہوا۔ دیوان حافظ سے تفاؤل کیا۔ تو یہ شعر نکلا ؎

ستارہ بدرخشید و ماہِ مجلس شد دلِ رمیدۂ ما را انیس و مونس شد

(ایک ستارہ چمکا اور مجلس کا چاند بن گیا۔ پھر پریشان دل کو اس سے سکون و اطمینان حاصل ہوا)
خدا کی قدرت سے دوسرے ہی دن الماس مل گیا۔ جس سے اطمینانِ خاطر حاصل ہوا۔ بعد ازاں بادشاہ نے رانا کے متعلق بھی فال دیکھی۔ یہ شعر نکلا ؎

گفتن کہ در چمن آمد گل از عدم بوجود بنفشہ در قدم او نہاد سر بسجود

(آپ کے چمن میں پھول کھلا۔ بنفشہ نے اس کے قدموں پر اپنا سر سجدہ میں رکھا)

دو ہی دن کے بعد رانا کے اطاعت پذیر ہونے کی خبر آگئی ٭

عبد الرحیم خان نام ایک پٹھان غازی پور میں رہتا تھا۔ پہلے کچہری میں نوکر تھا۔ بعد میں وہ نوکری جاتی رہی۔ اور تنگدست ہو گیا۔

لہ حیاتِ حافظ مطبوعہ علیگڈھ سنہ ۱۹۱۸ صفحہ ۱۸۰

پریشانی کی حالت میں دیوانِ حافظ کھولا تو یہ شعر نکلا ؎

شد لشکرِ غم بے عدد از بختِ میخواہم مدد
تا فخرِ دین عبد الصمد باشد کہ غمخواری کند

(غم کا لشکر بے حد ہو گیا۔ میں اپنے نصیبہ سے مدد چاہتا ہوں۔ ممکن ہے کہ فخر دین عبد الصمد میری غمخواری کرے)

خواجہ نے غم خوار کا نام بھی اس شعر میں بتا دیا تھا۔ اور اتفاق سے مولوی عبد الصمد ایک نہایت معزز وکیل اور بہت بڑے رئیس اور فیاض غازی پور میں رہتے تھے۔ ان کی شہرت سن کر عبد الرحیم خان اُن کے پاس گیا۔ انہوں نے اس کی عیالداری کی کثرت اور بیروزگاری کا حال سُن کر اُن پر ترس کھایا۔ اور ان کو کچہری میں نوکری دلوا دی ؛

امیر دوست محمد خاں نے جب سکھوں کے خوف سے روس سے مدد مانگی۔ تو انگریزوں کو بڑا خطرہ پیدا ہوا۔ انہوں نے کپتان برنس کو سفیر بنا کر افغانستان کو بھیجا۔ مگر کوئی معاملہ طے نہ ہوا۔ آخر انگریزوں نے امیر دوست محمد خاں کو معزول اور شاہ شجاع کو تخت نشین کرنے کے لئے ۱۸۳۸ء میں سرحد کی طرف قدم بڑھایا۔ جب امیر دوست محمد خان کو معلوم ہوا۔ تو وہ بہت گھبرایا۔ بھاگنے کی تجویزیں سوچنے لگا۔ فال دیکھنے کیلئے دیوان حافظ منگوایا۔ کھولا تو یہ شعر نظر پڑا ؎

چوں بخارا میروی دیوانہ
لائقِ زنجیر و بند بخانہ

لیکن حالات اس قسم کے تھے۔ کہ سوائے بخارا کے اُس کو کوئی جائے پناہ نظر نہ آتی تھی۔ آخر اسی طرف روانہ ہوا۔ اور نتیجہ یہ ہوا۔ کہ بخارا پہونچتے

بھی امیر بخارا نے اسے قید کر لیا۔ اس سفر میں اس کا نامور بیٹا سردار محمد[۱] افضل خاں والد امیر عبدالرحمن خان والئی افغانستان کا باپ اور موجودہ ہز میجسٹی امیر امان اللہ خاں کا پڑدادا) بھی باپ کے ہمراہ تھا۔ دونوں باپ بیٹا بڑی مشکل سے ۱۸۳۹ء[۲] میں بخارا سے واپس آئے۔

مولوی اکبر علی صاحب صوفی جالندھری اپنی کتاب سلیم التواریخ صفحہ ۴۴۴ پر لکھتے ہیں۔ راقم ایک دن لاہور میں دیوان حافظ پڑھ رہا تھا۔ یہ شعر نظر پڑا ؎

ز ہجر و وصل تو در حیرتم چہ چارہ کنم
نہ در برابر چشمے نہ غائب از نظرے

بار بار اسے پڑھتا رہا اور مزے لیتا رہا۔ مولوی جان محمد کو بھی یہ شعر بھیجا۔ وہ حضرت صاحب[۳] کی خدمت میں حاضر ہوئے اور شعر عرض کیا۔ آپ نے سنتے ہی فرمایا "کیا صوفی صاحب ہیں اور دور تو نہیں جانتے"۔ خدا کی شان کہ تھوڑے دنوں میں راقم کی تبدیلی لاہور سے راولپنڈی کو ہو گئی۔ پھر حضرت نے ہجر و وصل کے معنے سمجھائے۔ اور یہ بھی کہ کس طرح معشوق حقیقی نظر کے سامنے بھی ہے اور نظر سے غائب بھی۔

۱؎ تذکرہ امیر عبدالرحمان خان مرتبہ مولوی محبوب عالم ایڈیٹر پیسہ اخبار۔

۲؎ اسی سال کے نومبر میں بعد از جنگ و شکست حالات کی مجبوری سے) باپ بیٹوں نے اپنے آپ کو انگریزوں کے سپرد کر دیا۔ جو انہیں کلکتہ لے گئے۔ جہاں یہ ۱۸۴۲ء کے شروع تک رہے۔ انگریز پھر انہیں کابل میں لائے۔ اور امیر دوست محمد خان کو پھر تخت کابل سپرد کیا گیا۔ ۱۸۵۷ء میں امیر نے انگریزوں کو بڑی مدد دی یعنی اپنے عہد پر قائم رہا۔ اگر وہ اس وقت عہد نامہ کا لحاظ نہ کرتا تو معلوم نہیں پنجاب اور سرحد پر کس کا قبضہ ہوتا۔ ۹ جون ۱۸۶۳ء کو ہرات میں اس نے انتقال کیا۔

۳؎ مراد از حضرت شاہ الٰہی بخش صاحب قدس سرہ قادری فاضلی جالندھری معروف بہ پیر الٰہی شاہ۔

مولانا اسلم جیراجپوری (مصنف حیات حافظ) لکھتے ہیں۔ ایک دن میرے اور چھوٹے چچا کے درمیان ایک طفلانہ بحث چل پڑی۔ وہ کہتے تھے فیضی سب سے اچھا شاعر ہے۔ حافظ اور سعدی سے بھی زیادہ اس کا کلام پُرجوش ہے۔ میرا یہ دعوےٰ تھا۔ کہ حافظ کے مقابلہ میں فیضی کی ہستی ہی کیا ہے؟ بڑی دیر تک بحث ہوتی رہی۔ آخر میں نے کہا دیوان حافظ لاؤ۔ دیکھیں وہ کیا کہتے ہیں۔ دیوان حافظ جو کھولا تو یہ اشعار نکلے ؎

زہر خاکے کہ باد آورد فیضی بود و انعامی
ز خاک بندہ یاد آور کہ خدمتگار دیرینم

نہ ہر کو نقش نظمے زد کلامش دلپذیر آمد
قدر دو طرفہ مے گیرم کہ چالاک ست شاہینم

اگر باور نمے داری رو از صورتگر چیں پرس
کہ مانی نقش میخواہد ز نوک کلک مشکینم

(جو ہوا کہ خاک اُڑا لائی وہ فیضی اور انعامی تھی۔ بندے کی خاک کو یاد کرو۔ کیونکہ بندہ پُرانا خدمتگار ہے۔ ہر شخص جو شعرگوئی کرتا ہے۔ یہ ضرور نہیں ہے کہ اس کا کلام دلچسپ ہو۔ میں اچھے اچھے چکور (مضامین) پکڑتا ہوں۔ کیونکہ میرا شہباز تیز ذہن ہے۔ اگر تم کو یقین نہ آئے۔ تو چین کے نقاش سے جا کر پوچھ لو۔ کیونکہ مانی بھی میرے ہی کلکِ مشکیں کا نقش بردار ہے ؎

مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مدعی مسیحیت و مہدویت کے متعلق بھی لسان الغیب نے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ علیگڈھ کالج میں ایک صاحب مرزا صاحب کے ماننے والوں میں سے تھے

اور ان سے مصنف حیات حافظ کی اکثر بحث رہتی تھی - ایک مرتبہ دیوان
حافظ بطور تفاول کھولا گیا تو یہ شعر نکلا ؎

نیست در دائرہ جز نقطہ خلاف از کم وبیش
کہ من این مسئلہ بے چون وچرا مے بینم

(دائرہ میں سوائے نقطہ کے کوئی چیز ذرا بھی خلاف نہیں ہے - اور
میری نزدیک یہ مسئلہ بالکل واضح ہے)

اس کا مطلب یہ ہے کہ مرزا صاحب اسی دائرہ میں گردش کرتے ہیں
جو اسلام کا ہے - قرآن اور حدیث کو مانتے اور رسول صلعم پر ایمان رکھتے
ہیں - مگر اس تمام دائرہ میں صرف ایک نقطہ غلط ہے - اور وہ مرزا صاحب
کی ذات ہے - یعنی جب اسلامی تعلیمات پر چلتے ہیں - تو پھر اپنی ذات کو
کیوں درمیان لاتے ہیں کہ مجھ کو مسیح مانو کرشن مانو اور مہدی مانو -
بنارس کے محمد ظہیر فوٹو گرافر اپنے فن میں ماہر تھے - مگر اس تردد میں
رہتے تھے - کہ اور فوٹو گرافروں کی طرح کسی شہر میں دکان کھول لی جائے
یا ہندوستان کی دیہاتی زندگی کے فوٹو انگلستان کے اخبارات کو بھیجے
جائیں - آخر دیوان حافظ سے مشورہ لیا - خواجہ نے کہا ؎

معرفت نیست درین قوم خدایا مددے
تا برم گوہر خود را بہ خریدار دگر

(اس قوم میں قدر شناسی نہیں ہے - اسے خدا مدد کر تا کہ میں اپنے
موتی کسی دوسرے خریدار کے پاس لے جاؤں)

چنانچہ انہوں نے اسی پر عمل کیا اور کامیاب رہے
مولوی محمد حسین داناپوری کو کلکتہ میں تین چار ماہ تک مسلسل [illegible]

اور وہاں کی سیر و سیاحت کا کمال شوق تھا۔ لیکن جب گئے۔ بیمار ہو کر پریشان ہو کر واپس آ گئے۔ کبھی جاتے ہی بیمار ہو گئے اور واپس آنا پڑا۔ کبھی وہاں بیماری (طاعون) کا زور ہو گیا۔ غرض جاتے ہی ایسی خرابی پیش آ جاتی تھی کہ دوسرے چوتھے دن واپس آنا پڑتا تھا۔ چوتھی مرتبہ گئے۔ تو ارادہ کیا جب تک اچھی طرح سیر نہ کر لوں گا نہیں جاؤں گا دوسرے دن طبیعت زیادہ گراں ہو گئی۔ رہنے نہ رہنے کے لئے دیوان کھولا تو یہ شعر نظر آیا ؎

ما آزمودہ ایم دریں شہر بخت خویش
بیروں کشید باید ازیں ورطہ رخت خویش

(ہم اس شہر میں اپنا نصیب آزما چکے ہیں۔ اس بھنور سے رخت سفر باہر کھینچ لینا چاہیئے)

چنانچہ اسی دن امن مول چلے گئے۔

سنہ ۱۹۰۶ء میں علیگڑھ میں ہیضہ کا بڑا زور تھا۔ مدرسۃ العلوم میں بھی کثرت سے وارداتیں ہوتی تھیں۔ یہ جولائی کے ابتدائی ایام کا ذکر ہے۔ اگست میں تعطیلات گرما ہونے والی تھیں۔ کالج کے اعلیٰ منتظمین نے ۱۳ جولائی کو ایک جلسہ اس غرض سے کیا۔ کہ تعطیلیں ابھی سے دے دی جائیں۔ یا اگست ہی میں دی جائیں۔ مولانا اسلم جیراج پوری لکھتے ہیں پروفیسر محمد شفیع میرے پاس آئے اور کہا دیکھئے۔ منتظمین کالج جو فیصلہ کرنے والے ہیں۔ حافظ ان کے متعلق کیا کہتے ہیں۔ دیوان کھولا تو جواب ملا

بجاہ و دفتر اشعار و نحو و صرف مگیر
چہ وقت مدرسہ و بحث کشف کشاف است

دا شعار کی کتاب لے لو۔ اور میدان کی طرف نکل جاؤ۔ یہ مدرسہ کا کیا وقت ہے۔ اور کشاف میں غور و بحث کرنے کا کیا موقعہ ہے؟)
شام کو بابو رفیع اللہ آئے اور کہنے لگے۔ تعطیلوں کی منظوری ہو گئی۔

مولانا اسلم اپنی کتاب کے آخر میں لکھتے ہیں۔ ایک دن مسلمانوں کے تنزل کا خیال کر کے میرا دل رنج و غم کے دریا میں ڈوب گیا۔ میں نے دُنیا میں چاروں طرف نگاہ دوڑائی۔ مگر سب سے خراب حالت میں اسی امت مرحومہ کو دیکھا۔ رو رو کے بہت سی دُعائیں مانگیں اور چھت کی طرف ٹکٹکی باندھے دیر تک حیرت و حسرت کے ساتھ مختلف باتیں سوچتا رہا۔ اتفاق سے قریب ہی میز پر دیوان حافظ نظر پڑا۔ اُٹھا لیا۔ دل نے کہا لاؤ دیکھیں تو۔ خدا کے سچے دین اسلام کا آئندہ کیا حال ہو گا؟ یہ شعر نکلا ؎

نفس باد صبا مشک فشاں خواہد شد
عالم پیر۔ دگر بارہ جواں خواہد شد

(بادِ صبا کے جھونکے خوشبو پھیلائیں گے۔ اور بوڑھی دنیا ایک بار پھر جوان ہو گی۔ ع ایک بار اور بھی دنیا ابھی پلٹا لیگی)
اس شعر نے بے قراری کی جگہ قلب میں ایک تسلی سی پیدا کر دی۔
خواجہ حافظ کے مذہب و عقیدہ کے متعلق بھی بہت کچھ اختلاف ہے۔ کوئی انہیں سُنّی کہتا ہے کوئی شیعہ۔ کوئی معتزلی۔ کوئی انتہا کر دیتا ہے اور ان کو ملحد تک کہنے سے بھی دریغ نہیں کرتا۔ اس بارہ میں جب دیوانِ حافظ سے مدد لی گئی تو آزاد منش خواجہ نے جواب دیا ؎

جنگ ہفتاد و دو ملت ہمہ را عذر بنہ
چوں ندیدند حقیقت رہِ افسانہ زدند

حضرت[1] مولانا شاہ محمد حسین الہ آبادی نہایت عالم اور صوفی گذرے ہیں۔ جب ۸ رجب ۱۳۲۲ھ مطابق ۱۹ ستمبر ۱۹۰۴ء کو مجلس سماع ہی میں بمقام اجمیر آپ کا انتقال ہو گیا۔ تو خان بہادر مولوی زین العابدین صدر الصدور (علیگڈھ) نے دیوان حافظ کو اس غرض سے کھولا کہ مولانا کی کیا حالت تھی کیا ہوئی۔ اور اب ان کا انجام کیسا ہے۔ جواب میں یہ غزل نکلی۔ جس کو دیکھ کر مولانا مرحوم کے متعلق جو وہم آپ کو تھا جاتا رہا۔ غزل کیا ہے۔ مرحوم و مغفور کے حالات کا مرقع ہے ؎

زاہدِ خلوت نشیں دوش بہ میخانہ شد
از سرِ پیماں گذشت بر سرِ پیمانہ شد
شاہدِ عہدِ شباب آمدہ بودش بہ خواب
باز بہ پیرانہ سر عاشق و دیوانہ شد
مغبچۂ میگذشت راہزنِ عقل و دیں
در پئے آں آشنا از ہمہ بیگانہ شد
آتشِ رخسارِ گل خرمنِ بلبل بسوخت
چہرۂ خنداں شمع آفتِ پروانہ شد
گریۂ شام و سحر شکر کہ ضائع نگشت
قطرۂ باران ما گوہرِ یکدانہ شد

[1] آپ کے مفصل حالات کے لئے اور اس واقعہ کی تفصیل کے لئے وجدانی نشتر عرف سوز و گداز کا دیکھنا ضروری ہے۔

نرگسِ ساقی بخواند آیتِ افسوں گری
حلقۂ اورادِ ما گردشِ پیمانہ شُد

صوفئِ مجلس کہ دوش جام و قدح مے شکست
دوش بہ یک جُرعۂ مے عاقل و فرزانہ شُد

منزلِ حافظ کنوں بارگہِ کبریاست
دل بر دلدار رفت و جاں بر جانانہ شُد

مولانا سید احمد بریلوی ابتدائے ایام میں درویشانہ زندگی بسر کرتے تھے سنہ ۱۲۴۰ ہجری یعنی چالیس سال کی عمر تک اسی حالت میں رہے اسی زمانہ میں صوفی نام ایک شخص باشندۂ دہلی آپ کے اور دیگر بزرگانِ دین کے خلاف بہت کچھ کہا کرتا تھا۔ اور بیعت کو ایک ڈھکوسلا بتایا کرتا تھا لوگوں نے کہا۔ تمہارے اعتقادات کچھ ہوں مگر ان خرافات کو چھوڑ دو۔ کہ یہ بالکل لاحاصل ہیں۔ لیکن اس پر کچھ اثر نہ ہوا۔ بلکہ یہ کہا۔ کہ ان لوگوں کے کلمات سے دیوان حافظ کو میں بہتر سمجھتا ہوں۔ لوگوں نے کہا اچھا خواجہ حافظ ہی سے پوچھو وہ کیا کہتے ہیں۔ چنانچہ صوفی نے حسب قاعدہ مقررہ اوراد وغیرہ پڑھ کر بہ نیت فال دیوان حافظ کھولا۔ اول صفحہ کی پہلی ہی سطر میں یہ شعر نکلا ؎

کجاست صوفئ دجال چشم ملحد شکل
بگو بسوز کہ مہدئ دیں پناہ رسید

یہ شعر دیکھتے ہی صوفی کے دل پر ایک برچھی سی لگی۔ عرق شرم سے تر ہو گیا۔ دوڑا ہوا مولانا کے پاس گیا۔ اور نہ صرف بیعت کی۔ بلکہ دیگر بزرگان دین سے متعلق جو خرافات بکا کرتا تھا۔ اس سے توبہ کی ؞

کشمیر کا آخری چک بادشاہ یوسف شاہ ۹۸۶ھ میں تخت پر بیٹھا۔ مگر تھوڑے ہی عرصہ کے بعد عیش و عشرت میں محو ہو گیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ ۹۸۷ھ میں اس کو تخت و تاج چھوڑ کر اپنی جان بچانے کے لئے کشمیر سے بھاگ کر اکبر بادشاہ کی پناہ میں آنا پڑا۔ اکبر نے لاہور میں اس کی خاطر داری کی۔ اور عالیشان مکان رہنے کو دیا۔ مگر اُسے اپنے دشمن پر فتح پانے اور کشمیر کا تخت واپس دلانے کے لئے کوئی مدد نہ دی۔ یہ بے التفاتی دیکھ کر یوسف شاہ خود ہی کشمیر کو روانہ ہو گیا۔

تجارانِ لاہور سے کچھ روپیہ قرض لیا۔ سپاہی بھرتی کئے۔ یہاں تک کہ رستے ہی میں کئی سو سوار و پیادہ شامل ہو گئے۔ گوہر شاہ حریف مقابل تھا۔ اُس نے بارہ ہزار سوار ایک طرف سے اور ۲۵ ہزار پیادہ بھی اور ایک طرف سے بھیجے۔ یوسف شاہ بظاہر بے سر و سامان تھا۔ اور گوہر شاہ کے مقابلہ کی طاقت بھی نہ رکھتا تھا۔ لیکن رشتۂ ہمت و استقلال اس نے ہاتھ سے نہ چھوڑا۔

محمد امین مستغنی اس زمانہ میں سرینگر میں ایک نامور شاعر تھے انہوں نے اس جنگ کے نتائج دیکھنے کے لئے دیوان حافظ سے فال دیکھی۔ تو یہ شعر[1] نکلا۔

کلبۂ احزاں شود روزے گلستاں غم مخور
یوسف گم گشتہ باز آید بہ کنعاں غم مخور

خدا کی قدرت سے وہ حریف جس کے پاس بےشمار لاؤ لشکر تھا۔ بسیرہ

[1] تاریخ خواجہ اعظمی۔ ورق ۵

سلطان بادشاہ کی ٹوٹی پھوٹی فوج کے مقابلہ میں شکست کھا کر گرفتار ہو گیا
توگوریں نے اپنے گم شدہ بادشاہ کے واپس آنے پر خوشی و مسرت کا اظہار
کیا۔

سُلطان عالم واجد علی شاہ والئی اودھ کے فسانہ ہائے عیش و عشرت
سے کتابوں کی کتابیں لبریز ہیں۔ انہی سرشاریوں اور غفلتوں کی بدولت
اس رنگیلے بادشاہ کا تخت و تاج بھی جاتا رہا۔

سنہ ۱۲۶۸ھ میں بد انتظامی کی خبریں دور و نزدیک پہنچ گئیں اور ۱۲۷۰ھ
میں تو پانی سر سے گذر گیا۔ کسی کی داد فریاد بادشاہ تک نہ پہنچ سکتی تھی۔ یہاں
تک کہ سلطنت اودھ میں بادشاہ کی عیش پرستی اور وزراء و اُمراء کی خود
غرضی و خود مستی سے مسلمانوں کی حالت بہت ردی ہو گئی۔ فیض آباد کے متصل
بابر بادشاہ کے عہد میں بہ سال سنہ ۹۲۳ھ ایک مسجد بنائی گئی تھی۔ اسی کے
متصل ایک اور مسجد اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں بھی تعمیر ہوئی تھی
واجد علیشاہ کے زمانہ میں ہندو بیراگیوں نے رفتہ رفتہ وہاں قبضہ کر لیا
اور ہنومان کی مورتی رکھ کر وہاں علانیہ پوجا کرنے لگے۔ اور آخر یہاں تک
نوبت پہونچی۔ کہ مسلمان ناظم اور کوتوال کے طمع و حرص اور بے حمیتی اور
ہندو اہلکاروں کی اعانت سے مسجد کا نشان مٹا کے بت خانہ بنا لیا
گیا۔ سنہ ۱۲۷۱ھ میں مسلمانوں نے خانۂ خدا کی بے حرمتی کی اطلاع نواب
وزیر الدولہ وزیر کے پاس کی۔ اور منعم بیگ کوتوال اور اجارہ دار کو بھی
ساری داستان سنائی۔ مگر کہیں شنوائی نہ ہوئی۔ مسلمانوں کی یہ کم ہمتی
دیکھ کر بیراگیوں نے اپنا جتھہ اس بارہ ہزار تک بنا لیا۔ مگر بادشاہ اور
وزیر کو اس پر بھی کوئی خبر نہ ہوئی۔ مسلمانوں نے کفن سر پہ باندھے اور

مسجد کیطرف روانہ ہوئے۔ فسانۂ عبرت میں لکھا ہے۔ کہ رستم علی خان ایک باحمیت مسلمان نے ہنومان گڈھی کے زینہ پر چڑھ کر آذان دینی شروع کردی۔ اور اشہد ان لا الہ الا اللہ ابھی ختم نہیں کیا تھا۔ کہ پیشانی پر گولی کھا کر جان بحق ہو گیا ٭

بیراگیوں نے محاصرہ کر کے ۶۹ مسلمانوں کو شہید کر دیا۔ صرف دو شخص کسی طرح زندہ و سلامت نکل گئے۔ کوتوال نے جو مسلمان تھا۔ آٹھ پہر کے بعد پامال شدہ لاشوں کو بے گور و کفن ایک ہی جگہ دفنا دیا اور بادشاہ کو اطلاع دیتے ہوئے لکھا۔ کہ سارا قصور مسلمانوں ہی کا تھا۔ نہ وہ ہنومان گڈھی پر حملہ کرتے نہ ان کا یہ حشر ہوتا۔ مگر در اصل ہندوؤں نے دہنِ سگ کے منہ میں لقمہ دیکر اُس کا قلم اور اس کی زبان بند کر دی تھی ٭

جب بادشاہ کو خبر ہوئی۔ باوجود عیش پرستی کے اتنے مسلمانوں کا خون سن کر چونکا۔ اور تحقیقات کا حکم دیا۔ مرزا آغا علی خاں اس تحقیقات پر مامور ہوئے۔ جب یہ بات ثابت ہونے پر بھی کہ یہاں واقعی مسجد موجود تھی اور ابھی تک اس کے آثار باقی ہیں۔ اور وہاں مورتی رکھ کر بیراگیوں نے اپنا قبضہ کر لیا ہے۔ کوئی داد فریاد نہ ہوئی۔ تو ایک مرد خدا مولوی سید امیر علی ع "سرِ میداں کفن بر دوش دارم" کا نعرہ لگاتا ہوا انتقام لینے کے لئے اپنے وطن (امیٹھی) سے باہر نکلا۔ اب نواب وزیر اس فکر میں ہوا کہ کسی طرح اس معاملہ کو مذہبی معاملہ نہ بننے دیا جائے۔ چنانچہ اس نے کئی علماء ڈرا کر دھمکا کر اور انعامات و خلعت دیکر اپنی طرف کر لئے۔ تاہم مولوی سید امیر علی نے ان فتووں کی بھی کوئی پرواہ نہ کی۔ اور ایک جم غفیر اپنے

ﮯ مصنفہ مرزا رجب علی بیگ سرور جس میں سلطنتِ اودھ کے عبرت انگیز زوالی کا ذکر ہے مطبوعہ ۱۸۔ ۱۸۶۳ء ٭

ساتھ ملا لیا ۔

قصہ طویل ہے۔ نواب وزیر سید امیر علی کو بلوا کر اس سے وعدہ کرتا ہے۔ کہ مسجد بھی بنوا دی جائے گی اور انتقام بھی لیا جائیگا۔ لیکن یہ سب اس کی عیاریاں تھیں۔ مطلب یہ تھا کہ مولوی کو باتوں میں پھسلا کے گرفتار کر لیا جائے۔ لیکن وہ لکھنؤ سے اپنی جمعیت سمیت موقعہ دیکھ کر بھاگ نکلے۔ بادشاہی فوج نے مقابلہ کیا۔ رُدولی ضلع بارہ بنکی کے قریب لڑائی ہوئی۔ مولوی سید امیر علی یہ مصرعہ پڑھتے تھے ع
"سر میداں کفن بردوش دارم"[1] اور جوش و خروش سے مسلمان نما کافروں پر حملے کرتے تھے ۔

یہ واقعہ ۲۲ صفر سنہ ۱۲۷۲ھ چہار شنبہ کے دن کا ہے۔ مولوی امیر علی نے کہ امیر المجاہدین تھے۔ گروہ کثیر کے ساتھ جام شہادت نوش کیا۔ تاریخوں میں لکھا ہے۔ کہ ٹھیک اسی دن اور اسی تاریخ کو پارلیمنٹ لنڈن نے سلطنت اودھ کی ضبطی کا حکم نافذ کر دیا تھا۔ جو تین مہینے کے بعد ہندوستان پہنچا ۔

بادشاہ اور وزیر بیگناہ مسلمانوں کے خون کا یہ تماشا دیکھتے رہے۔ بلکہ انہوں نے خود اپنی فوجوں سے ان کو شہید کرایا۔ مگر منتقم حقیقی یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ جب ضبطیٔ ملک کی خبریں دار السلطنت میں پہنچیں اور بادشاہ اور وزیر کو خبر ہوئی۔ تو گھبرائے۔ مگر اب گھبرانے سے کیا ہو سکتا تھا۔

---

[1] یہی مصرعہ مولوی سید امیر علی کی وفات کا مادۂ تاریخ ہے

تاریخ شہیدانِ کفن پوش — چہ حاجت تا سخن من بنگارم
کہ خود فرمود آں میر شہیداں — سر میداں کفن بردوش دارم

نواب نے بادشاہ کے اطمینان کے لئے دیوان حافظ طلب کیا۔ اور آپ میں فال دیکھی تو یہ شعر نکلا ؎

دیدی کہ خونِ ناحق پروانہ شمع را
چنداں اماں نہ داد کہ شب را سحر کند

شعر دیکھتے ہی بادشاہ اور وزیر دونوں کے چھکے چھوٹ گئے۔

امورات سلطنت سے لاپرواہی عیش و عشرت اور مسلمانوں کی خونریزی کا نتیجہ یہ ہؤا۔ کہ ۲۹ جمادی الاوّل ۱۲۷۲ھ کو ضبطی ملک کا عام اشتہار ہو گیا۔ بادشاہ اور وزیر اور بڑے بڑے امیر ذلت و خواری کا شکار ہو گئے۔

۱۹۱۱ء کا ذکر ہے۔ ماسٹر ابو محمد محفوظ صاحب ایم۔ اے الگزینڈریہ ہائی سکول بھوپال میں سیکنڈ ماسٹر تھے۔ انہوں نے کوشش کی۔ اور ان کا نام ڈپٹی کلکٹری کے لئے منظور ہو گیا۔ لیکن ان کے والد ان کی مفارقت پسند نہ کرتے تھے۔ اور اس لئے وہ سیکنڈ ماسٹری پر ہی راضی تھے۔ ماسٹر صاحب نے بطور تفاؤل دیوان حافظ کھولا تو یہ شعر نکلا ؎

بر درِ مدرسہ تا چند نشینی حافظ
خیز تا از درِ میخانہ کشائے طلبی

آخرکار انہوں نے اپنے والد کو بھی راضی کر لیا۔ اور ڈپٹی کلکٹری کا امتحان دیا پاس ہو گئے اور چھپرہ میں تعینات ہوئے۔ بہت نیک نام رہے اور بڑے قابل اور علم دوست تھے ۱۹۲۳ء میں ان کا انتقال ہو چکا ہے۔

لہ یہ واقعہ بھوپال میں مولوی مظہر الحسن صاحب تحصیلدار۔ نے میرے قیام بھوپال کے دنوں میں ۹۔ نومبر ۱۹۲۳ء کو بیان فرمایا تھا۔

شیخ بابا داؤد خاکی معنّف وردالمریدین کشمیر کے عالم متبحر مصنف نامور شاعر شیوا بیان اور کامل اہل اللہ گذرے ہیں۔ ان کے مریدوں میں شیخ نصیرالدین ابوالفقراء کہ صاحب طریقت و ولایت اور اہل مجاہدت و ریاضت میں ان کی بہت وقعت ہے۔ انواع و اقسام کے علوم میں ماہر کامل تھے۔ ابوالفقراء کے متعلق مشہور ہے۔ کہ وہ بہت سیرانی طبیعت کے بزرگ تھے اور کسی ایک جگہ مستقل طور پر قیام نہیں فرماتے تھے۔ بقول شاعر ؎

چین لیتے ہی نہیں عاشق ناکام کہیں
دن کہیں صبح کہیں رات کہیں شام کہیں

جس طرح بابا داؤد خاکی رحہ کے مریدوں میں شیخ ابوالفقراء نہایت نامور ہوئے ہیں۔ اسی طرح شیخ ابوالفقراء کے مریدوں میں شیخ مشکواتی مصنف اسرار الابرار نہایت مشہور گذرے ہیں۔ چنانچہ وہ ان کے متعلق لکھتے ہیں

دو شب بیجا نبود از صبح تا شام
نہ کرد یک شب باخود سر انجام

مولانا داؤد مشکواتی لکھتے ہیں۔ ایک مرتبہ شیخ ابوالفقراء بارہ مولہ میں تھے۔ میں بھی حاضر تھا۔ مجھے ہمراہ لیا اور فرمایا چلو گرناہ کی طرف چلیں

لہ حضرت شیخ العالم مخدوم شیخ حمزہ کشمیری کے مرید تھے۔ مدفن سرینگر کشمیر ٭

ٹہ انتقال ۱۰۴۷ھ مدفن بج بہار۔ ضلع اسلام آباد کشمیر ٭

سہ اسرار الابرار ان کی مشہور تصنیف ہے جو اب تک غیر مطبوعہ ہے۔ اس میں ۱۰۴۰ھ تک کے صوفیائے کشمیر کے حالات درج ہیں اسرار الابرار ۱۰۶۳ھ کی تصنیف ہے۔ یہ واقعہ اسی کتاب سے لیا گیا ہے ٭

موسم سردی کا تھا اور رستہ خطرناک۔ لیکن میں نے دم نہ مارا اور ہمرکاب ہو گیا۔ جب وادیٔ ہنپیاب میں پہونچے۔ وہاں کے لوگ جن میں اکثر ان کے ارادتمندوں میں تھے۔ بڑی خاطر سے پیش آئے۔ انہوں نے عرض کیا۔ برف کی کثرت ہے اور راستہ بالائے کوہ سے ہو کر جاتا ہے اور حالت یہ ہے۔ کہ پیادہ بڑی دشواری سے وہاں چل سکتا ہے اور سواری کا تو وہاں گذر ہی نہیں۔

مولانا مشکواتی لکھتے ہیں۔ جب لوگ بہ ضد تھے۔ کہ رستہ خطرناک ہے۔ سفر ملتوی کر دینا چاہئے۔ اور شیخ الفقراء یہ چاہتے تھے۔ کہ برف خواہ کس قدر ہو۔ سفر جاری رہنا چاہئے۔ تو حضرت نے فرمایا۔ دیوان حافظ نکالو۔ اور خواجہ سے پوچھو کیا مشورہ دیتا ہے۔ میں نے دیوانِ حافظ کھولا سرِ صفحہ پر یہ بیت نکلا ؎

حافظ از بادِ خزاں در چمنِ دہر مرنج
فکرِ معقول بہ فرما گلِ بے خار کجا ست

یہ شعر سنتے ہی فرمایا۔ اُٹھو اور سفر کی تیاری کرو۔ مولانا مشکواتی لکھتے ہیں۔ ہم نے مزدور وغیرہ اپنے ہمراہ لئے۔ اسبابِ سفر اور گھوڑے وغیرہ بڑی مشکل سے پہاڑ کی چوٹی پر پہنچے۔

یہ واقعہ بہت مشہور ہے۔ کہ ایک بیگم کا موتیوں کا ہار اس کی کسی خادمہ نے چرا لیا۔ بیگم نے پتہ پتہ چھان مارا۔ مگر کوئی پتہ نہ ملا۔ خادمہ بڑی ہشیار تھی۔ شمع ہاتھ میں لئے کونہ کونہ تلاش کر رہی تھی۔ بیگم جب تھک کر بیٹھ گئی۔ تو خادمہ سے کہا۔ دیوان حافظ لاؤ۔ ذرا دیکھیں تو یہ کیا بتاتا ہے۔ خادمہ نے دیوان حافظ لا کر بیگم کو دیا۔ اور خود شمع لے کر

اس کے پاس بیٹھ گئی۔ دیوان حافظ کھولا گیا۔ تو سب سے پہلے یہ شعر نکلا ؎

بہ فروغِ چہرۂ زلفت ہمہ شب زند رہِ دل
چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد

بیگم نے اسی وقت خادمہ کو پکڑ لیا۔ پہلے تو اس نے انکار کیا۔ مگر جب اس پر سختی کی گئی۔ تو اس نے اقبال کر لیا۔ اور ہار جو کسی جگہ چھپا رکھا تھا۔ صحیح و سلامت پیش کر دیا۔

جب دورانِ جنگ یورپ میں ٹرکی سے بہت سے ممالک چھین لیئے گئے۔ اور جب التوائے جنگ کے بعد ٹرکی کو اتحادیوں نے اپنی فوجیں قسطنطنیہ میں لا کر مکمل غلام بنا لیا۔ اور جب ہندوستان میں جنگ کے بعد نظر بندیوں کا سلسلہ دورانِ جنگ کے زمانہ سے بھی زیادہ طویل ہو گیا۔ تو ٹرکی و ہندوستان کے مستقبل کے متعلق بھوپال[1] میں ایک معزز مسلمان نے دیوان حافظ سے تفاول کیا۔ دیوان کھولتے ہی یہ غزل نکلی جو شروع سے اخیر تک ان کے استفسار سے تعلق رکھتی ہے۔ اس لیئے وہ بجنسہٖ درج کی جاتی ہے ؎

افسرِ سلطانِ گل پیدا شد از طرفِ چمن
مقدمش یا رب مبارک باد بر سرو و سمن
خوش بجائے خویشتن بود این نشست خسروی
تا نشیند ہر کسے اکنوں بجائے خویشتن
تا ابد معمور باد این خانہ کز خاکِ درش
ہر نفس با بوئے ریحاں مے وزد بادِ یمن

[1] یہ واقعہ مجھے بھوپال میں ۱۰۔ نومبر ۱۹۲۲ء کو بتایا گیا۔

خاتم جم را بشارت دہ بحسن خاتمہ
کاسم اعظم کرد ازو کوتاہ دست اہرمن
خنگ چوگانئ چرخت رام شد در زیر زین
شہسوارا خوش بمیداں آمدی گوئی بزن
جوئبارے ملک را آب رواں شمشیر تست
تو درخت عدل بنشاں بیخ بدخواہاں بکن
شوکت پور پشنگ و تیغ عالمگیر تو
در ہمہ شہنامہ ہا شد داستان انجمن
بعد ازیں نشگفت اگر با نکہت خلق خوشت
خیزد از صحرائے ایراں نافۂ مشک ختن
گوشہ گیران انتظار جلوۂ خوش میکشند
بر شکن طرف کلاہ و برقع از رخ برفگن
اے صبا بر ساقی بزم اتابک عرضہ دار
تا ازاں جام زر افشاں جرعۂ بخشد بمن
مشورت با عقل کردم گفت حافظ مے بنوش
ساقیا مے دہ بقول مستشار مؤتمن

جنگ کے بعد ہندوستان بھی بیدار ہو چکا ہے۔ مگر ٹرکی کے متعلق تو یہ غزل ایک کھلا ہوا افسانہ ہے۔ آج ترکان احرار سمرنا۔ بروصہ اور دیگر مقامات پر پھر قابض ہو گئے ہیں جو اتحادیوں کی حمایت سے یونان نے غصب کر لئے تھے۔ اسی قسطنطنیہ میں جہاں سے ترکان احرار جان بچا کر نکلے تھے۔ آج فرزندان اسلام پھر دندنا رہے ہیں۔ وہ سلطان جس نے

اتحادیوں کے خوف سے ترکانِ احرار کے زبردست لیڈروں اور اسلام کے مایۂ ناز فرزندوں کے لئے پھانسی کی سزائیں مشتہر کیں بھیں آج خود ترکانِ احرار کے خوف سے انگریزوں کے ہاں پناہ گزین ہے۔ غازیٔ اسلام مصطفیٰ کمال پاشا کا مبارک وجود بنا رہا ہے۔ کہ "افسر سلطانِ کُل" اور "در ہمہ شہنامہ ہا" اور "داستانِ انجمن" کون ہے +

حکیم فتح اللہ اور کئی اور سرکردہ لوگ یہ چاہتے تھے۔ کہ جہانگیر کو ٹھکانے لگا کر خسرو جہانگیر کے بیٹے کو قید سے نکال کر تخت پر بٹھا دیں جب جہانگیر اپنی تخت نشینی کے دوسرے سال کابل سے لاہور آیا۔ تو اسے خبر ملی۔ کہ حکیم فتح اللہ اور خسرو کے دوسرے طرفدار پانسو ہمراہیوں سمیت میری گھات میں چھپے ہوئے ہیں فوج کو ان کی گرفتاری کا حکم ہوا چنانچہ کئی لوگ قتل ہوئے۔ کئی گرفتار۔ حکیم فتح اللہ بھی جو بظاہر بادشاہ کا دم بھرتا تھا۔ گرفتار ہو کر آیا۔ بادشاہ نے کہا۔ اس کذّاب کا منہ کالا کر کے گدھے پر اُلٹا سوار کرو اور منزل بہ منزل دہلی لے چلو۔ بادشاہ نے جب اس کو بلوایا۔ تو زمین بوس ہوا۔ اور عذر خواہی کی۔ اور کہا جو کچھ ہوا لوگوں کے بہکانے سے ہوا۔ بادشاہ کے پاس اس وقت دیوانِ حافظ تھا۔ کہا۔ خواجہ سے پوچھتا ہوں اگر تو سچا ہے۔ تو چھوڑ دیا جائیگا۔ حکیم کی خوش قسمتی سے کہئے یا خواجہ کی رحمدلی انہوں نے جواب دیا ؎

آنکہ پامالِ جفا کرد چو خاکِ راہم — خاک میبوسم و عذر قدمش مے خواہم

من نہ آنم کہ بجور از تو بر نجم حاشا — چاکر معتقد و بندۂ دولت خواہم۔

آخر وہ رہا کر دیا گیا +

پنڈت خوشگو جن کا پہلے ہی ذکر آچکا ہے۔ لکھتے ہیں۔ میں نے ایک مرتبہ سوچا۔ کہ کیا وجہ ہے۔ خواجہ سے جس بات کا سوال کیا جاتا ہے۔ اس کا جواب بالکل صحیح نکلتا ہے۔ پنڈت خوشگو لکھتے ہیں اس تردد کو دور کرنے کے لئے ہی میں نے

دیوان حافظ ہی کھولا۔ جواب ملا ؎

معجز است این شعر یا سحر حلال ہاتف آرد این سخن یا جبرئیل

لکھتے ہیں۔ مجھے یقین آگیا۔ کہ بیشک خواجہ کی شاعری میں کوئی غیبی آواز ہے لہ

دیوان حافظ سے فال نکالنے کے طریقے

(از مولانا اسلم جے راجپوری مصنف حیات حافظ)

فال نکالنے کے مختلف طریقے ہیں۔ صاف اور آسان طریقہ یہ ہے کہ مسلمان ہو تو درود پڑھ کر خواجہ کی رُوح کو ثواب بخشے اور مسلمان نہ ہو تو اُن کے لیے دُعا کرے۔ پھر دیوان کھولے۔ دائیں صفحہ کے پہلے شعر کو جواب سمجھنا چاہیئے۔ اگر جواب کو سوال سے مناسبت نہ ہو۔ تو دوبارہ دیکھے۔ اگر اب کے بھی نہ ملے تو سہ بارہ دیکھے اگر پھر بھی نہ ملے۔ تو سمجھنا چاہیئے۔ کہ خواجہ اس وقت کسی مصلحت سے جواب دینا پسند نہیں کرتے۔ پھر زیادہ تنگ نہ کرے۔ بعض لوگ شعر معین کر لیتے ہیں۔ کہ جو صفحہ نکلے۔ اس کے فلاں شعر میں ہمارے سوال کا جواب ملے۔ دیوان کھولنے پر جو صفحہ نکلتا ہے اس میں شروع سے گن کر وہی شعر دیکھ لیتے ہیں۔ اگر جواب نہیں ہے تو دوبارہ سہ بارہ دیکھتے ہیں۔

دیوان کے ایک قلمی نسخہ میں فال نکالنے کا یہ طریقہ درج ہے۔ اور اس کو محمد گلندام کی طرف منسوب کیا ہے۔

لہ حیات حافظ صفحہ ۱۲۷ء

م	م	ک	ط	ر	ک	ی	ب	خ	ا	و	و	ا	و	ف
ا	ر	ی	ا	ح	ا	ل	ی	ف	ر	ن	ز	ز	ب	ز
ع	پ	م	ب	ی	ت	م	ا	ی	ا	ن	غ	ا	ا	ا
و	ط	ن	ک	م	م	ن	ی	ا	و	ا	م	ر	ا	ت
ن	و	ز	ہ	ی	ن	م	ی	د	و	ا	و	ا	ر	ر
د	و	د	ک	ز	ز	ی	ث	ل	و	د	ا	ل	ت	م
م	ر	غ	ک	ج	ر	خ	م	ی	و	خ	ر	ن	و	م
ن	ن	خ	ر	پ	ب	و	و	ک	و	ا	ا	ی	ی	ت
د	خ	ث	ا	ی	ن	ن	و	ب	ا	و	ث	ن	ل	ہ
ش	ف	س	م	و	ا	ک	ب	ک	و	ر	د	ن	م	غ
س	ت	ش	ر	خ	ی	ش	ا	م	پ	ک	ا	ب	ن	خ
ا	ر	ث	ر	ا	و	خ	د	ا	و	ی	س	د	م	ی
ت	ہ	ل	ر	ا	ر	ی	م	ط	ح	ب	ہ	م	د	ا
ب	ہ	ل	د	ی	ر	ب	ب	ا	م	ن	ب	ی	ا	د
س	ب	ی	ن	و	ی	ش	م	م	ف	ر	و	ش	ن	م

جس شخص کو فال نکالنی ہو۔ وہ پہلے **شاخ نبات** کا نام تین بار
لیکران خانوں میں سے کسی خانہ پر انگلی رکھ دے۔ اس خانہ کے حرف کو چھوڑ
کر آگے سے شمار کرے۔ اور ہر نواں حرف لیتا ہوا چلا جائے۔ اگر نقشہ ختم
ہو جائے۔ تو شروع سے اسی طرح شمار کرتا ہوا اور نواں حرف لیتا ہوا اس
حرف تک پہونچے جس پر انگلی رکھی ہے۔ جتنے حروف حاصل ہوں اُن کو
ترتیب وار لکھنا چاہئے۔ ان لفظوں سے جو مصرعہ مرتب ہوگا وہی مقصود ہوگا

مثلاً ہم نے خانہ ۱۵۷ پر انگلی رکھی۔ اس میں ش ہے۔ اسکو چھوڑ کر آگے سے شمار کرنا شروع کیا۔ آخر نقشہ تک اس قدر حروف نکلے

ا و ر م ب ک ف۔

اب شروع نقشے سے خانہ ۱۵۷ تک شمار کیا تو یہ حروف اور نکلے۔

ط ا ل ع ا گ ر م د و ک ن د د ا م ن ش

اب پہلے حرفوں کے ساتھ ان کو ملا کر ترتیب وار لکھا

اورم ب ک ف ط ا ل ع ا گ ر م د و ک ن د د ا م ن ش

ان سے یہ مصرعہ بنا

آورم بکف طالع اگر مدد کند دامنش

اس میں تھوڑی سی تبدیلی کردی تو یہ مصرعہ ہوگیا اور اسی کو فال سمجھنا چاہیئے

طالع اگر مدد کند دامنش آورم بکف

یہ حافظ کی ایک غزل کے مطلع کا پہلا مصرعہ ہے۔ دوسرا مصرعہ یہ ہے۔

گر بکشم زہے طرب ور بکشد زہے شرف

ایک اور طریقہ یہ ہے۔ کہ جو شخص اپنے مطلب کی فال دیکھنا چاہے وہ بصدقِ دل پہلے یہ اشعار پڑھے

ع

آنچہ از سرِ غیب گوید راز ہست دیوانِ حافظِ شیراز

حسب حالِ منِ شکستہ و زار آنچہ دانی بروے کار برآر

بعدہٗ خدا کا نام لے کر ذیل کے کسی خانہ پر انگلی رکھے۔

م	و	ب	د	ب	ک	ج	ر	ز	ہ	د	ی	ا	ش	ا	ن
ی	ا	ب	ف	و	ی	ہ	ا	و	و	م	ل	ر	م	ی	ب
ی	ط	ن	ی	ن	ا	ب	ش	ف	ل	ا	ک	ا	ب	ت	ش
ل	ت	و	د	ا	ر	ک	ی	ل	ا	و	ب	ب	ب	ی	ہ
ت	ہ	م	ر	ہ	ش	ح	ہ	ک	د	د	و	ا	ا	ا	ر

جس خانہ پر اُنگلی رکھے۔ اس کا حرف لکھ لے۔ پھر اس خانہ سے تین خانہ گن کر چھوڑ دے اور چوتھے خانہ کا حرف لکھ لے۔ جب نقشہ تمام ہو جائے۔ تو شروع کے خانہ سے ابتدا کرے۔ اور اسی طرح تین خانے چھوڑتے ہوئے اور چوتھے خانہ کا حرف لیتے ہوئے اس خانہ تک پہونچے۔ جس پر اُنگلی رکھی تھی۔ اب جس قدر حروف حاصل ہوتے ہیں ان سب کو ترتیب وار لکھ کر جوڑے۔ جو مصرعہ حاصل ہؤا۔ اس کو فال غیبی سمجھے۔ مثلاً ہم نے خانہ ۵ پر اُنگلی رکھی اور مطابق طریقہ مذکورہ کے عمل کیا۔ تو یہ حروف برآمد ہوئے

ب ر ا ی د و ر ی ں ف ال ال ب ت ہ ک ا م

ان حرفوں سے یہ مصرعہ بنا

برآید دریں فال البتہ کام

فال نکالنے کے یہ دونوں طریقے ہم نے صرف اس لئے لکھے تاکہ معلوم ہو سکے کہ حافظ کی فالوں کے ساتھ لوگوں کو کس قدر گہری دلچسپی ہے۔ اور کیا کیا نیرنگیاں اس کے متعلق سوچی گئی ہیں۔ ورنہ ہم جانتے ہیں۔ کہ اس قسم کے تاریک اوہام کا لکھنا محض کاغذ اور سیاہی کا خراب کرنا اور ناظرین کو ایک غیر مفید الجھن میں ڈالنا ہے ٭

روایاتِ اسلام اسلامی تاریخ کے سبق آموز واقعات اور نتیجہ خیز و شاندار روایات کا منظوم مجموعہ جس میں مولانا شبلی ڈاکٹر اقبال مولوی ظفر علی خان مولانا شفق عماد پوری مولانا کیفی چریاکوٹی مولانا اسلم جیراجپوری اور بعض اور مشہور قومی شعرا کی وہ اسلامی تاریخی نظمیں درج ہیں جن میں خلق محمدی اسلامی حریت و مساوات عدل و انصاف اور بذل و ایثار کے زرین واقعات اس غرض سے درج کئے گئے ہیں کہ ہماری قومی عصبیت مذہبی حرارت ہمارے روحانی جذبات اور ہماری سیزدہ سالہ لازوال روایات ہر وقت ہمارے دلوں میں تازہ رہیں قیمت ... ... (۴ر)

جمال الدین افغانی اتحاد اسلامی کے محرک اعظم مصر اور مصر کے ذریعہ تمام اسلامی ممالک میں حریت و آزادی کی روح پھونکنے والے مجدد اعظم علامہ سید جمال الدین افغانی رح کے حالات زندگی از قلم مولانا ظفر علی خان بی۔اے ایڈیٹر اخبار زمیندار قیمت ... ... (۸ر)

تاریخ انگورہ معہ حالات غازیان انگورہ جس میں غازی مصطفیٰ کمال پاشا بانیٔ حکومت اناطولیہ (انگورہ) باقر سمیع بے وزیر خارجہ یوسف کمال بے سابق وزیر خارجہ حضرت شیخ سنوسی۔ جنرل فیوضی پاشا وزیر جنگ۔ کاظم پاشا سپہ سالار قفقاز علی فتحی بے وزیر داخلہ قاضی محمد رفعت بے شیخ الاسلام انگورہ ادیبہ خالدہ خانم وزیر تعلیمات جنرل علی احسان پاشا۔ جنرل عصمت پاشا فاطمہ سحر خانم۔ وغیرہ اٹھارہ مجاہدین و احرار انگورہ کے جذبات ملیہ۔ سوانحات عمر اور سربکف جنگی کارناموں کے علاوہ انگورہ طرابزون سینوب بروصہ قفقاز۔ سمسون۔ ازمیر۔ سمرنا وغیرہ اناطولیہ کے مشہور شہروں اور بندرگاہوں کے قدیم و جدید تاریخی و جغرافیائی حالات درج ہیں مصنفہ مصنف تاریخ حریت اسلام قیمت ... ... (۲ر)

تاریخ افغانستان کرنل میلسن صاحب مشہور مورخ کی نامور کتاب تاریخ افغانستان کا اردو ترجمہ ہے اس تاریخ میں زمانہ قدیم سے لیکر امیر عبدالرحمان کے حالات درج ہیں۔ حجم ۳۳۶ صفحہ ... قیمت ... ... (عہ ر)

پتہ:- ظفر برادرس تاجران کتب ظفر منزل لاہور